تعلیمِ نسواں: ضرورت اور طریقۂ کار

مولانا غفران ساجد قاسمی

مغرب سے جنم لینے والے "آزادیِ نسواں" اور "حقوقِ نسواں" جیسے دل فریب اور پُرکشش نعروں کی طرح گزشتہ برسوں میں "تعلیمِ نسواں" کے خوش نما نعرہ نے بھی کافی ترقی کی ہے اور حالیہ چند برسوں میں برصغیر ایشیا بالخصوص ہندستان کے مختلف علاقوں میں "تعلیمِ نسواں" کے اسی خوش کن نعرہ کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر مدارسِ نسواں کا وجود ہوا اور روز بروز یہ تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ تعلیم، یا تعلیم نسواں بہر صورت ضروری ہے، ضروری ہی نہیں؛ بلکہ اسلام نے اسے فرض قرار دیا ہے۔ یہ مذہبِ اسلام کا ہی امتیازی وصف ہے کہ دیگر تمام ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں اس نے علم کے حصول پر زیادہ زور دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل کی اس میں بھی "اقراء" کے ذریعہ پڑھنے کی ہی تعلیم دی اور علم کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر نبیِ امی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مسلم" (متفق علیہ) ارشاد فرما کر ہر مسلمان مرد و عورت پر علم کا حصول فرض قرار دیا۔

دنیا کی تاریخ اور قوانین عالم سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ دنیا کی سب سے عظیم طاقت (Super Power) کہلانے والی تنظیم "اقوامِ متحدہ" (UNO) نے اپنے منشور میں علم حاصل کرنے کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے؛ جب کہ اسلام نے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور حق اور فرض میں واضح فرق یہ ہے کہ حق نہ لینے پر زور زبردستی اور کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے؛ جب کہ اس کے برعکس فرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں انسان سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حصولِ علم کی سب سے زیادہ اہمیت، فضیلت اور تاکید مذہبِ اسلام میں ہی ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ علم حاصل کرنے کے سلسلے میں مذہبِ اسلام کی تاکید مرد و زن کے لیے یکساں

ہے۔غور کرنے کا مقام ہے کہ بھلا وہ مذہب جس نے دنیائے انسانیت کو اخوت و بھائی چارگی کا سبق سکھایا، ظلم وتفریق کے دَلدَل میں دھنسی ہوئی انسانیت کو عدل ومساوات کا درس دیا، ذلیل ترین اور حقیر شے سمجھی جانے والی صنفِ نازک کو سماج اور معاشرہ میں باوقار مقام عطا کیا۔ بھلا وہ مذہب معاشرہ اور سماج کی نصف آبادی عورت کو تعلیم جیسی عظیم نعمت سے کیسے محروم رکھ سکتا تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاتفریقِ جنس اور امیر وغریب کے حصول علم کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"طلب العلم فریضة علیٰ کلم مسلم" (متفق علیہ) اور برملا اعلان فرمادیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔علم کسی کی جاگیر نہیں ہے۔ایسا نہیں ہے کہ صرف مردوں کو ہی علم حاصل کرنے کا حق ہے اور عورتیں اس حق سے محروم ہیں، اسی طرح صرف اُمراء اور رؤساء علم کو اپنے گھر کی لونڈی بنا کر رکھیں گے اور غریب علم کے لیے ترسیں گے؛ بلکہ اسلام نے یہ اعلان کر دیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت اور استطاعت کے بقدر علم حاصل کرے گا اور ضرورت کے بقدر علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے فرض قرار دیا گیا۔ اور یہ بات واضح ہے کہ فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں انسان سزا کا مستحق ہوتا ہے۔اس تفصیل سے ایک بات تو واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے اور مردوں کا علم حاصل کرنا، اس کے لیے دور دراز مقام کا سفر کرنا تو روایتوں اور اسلاف واکابر کے واقعات سے ثابت ہے؛ لیکن عورتوں کے علم حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہو اور اس کے لیے نصابِ تعلیم کیا ہو، اور وہ کتنا علم اور کن کن لوگوں سے علم حاصل کرے، زیر نظر مضمون کا موضوعِ بحث یہی ہے۔

موجودہ دور میں تعلیمِ نسواں کے علمبرداروں نے بڑے پیمانے پر مدارسِ نسواں قائم کیے ہیں اور ان مدارسِ نسواں میں سے زیادہ تر تو اقامتی ادارے ہیں، جہاں طالبات کے قیام وطعام کا مکمل نظم ہے اور ان کے ذمہ داران بھی عموماً مرد حضرات ہی ہیں، اور بہت سارے غیر اقامتی مدارس نسواں بھی ہیں؛ لیکن دونوں طرح کے مدارس نسواں میں جو ایک بات قدرِ مشترک ہے وہ دونوں اداروں کے ذمہ داران کا مرد ہونا جو کہ اپنے آپ میں ایک لمحہ فکریہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل گفتگو شروع کرنے سے قبل مختصراً اسلام سے قبل عورتوں کی کیا حالت تھی اور دیگر ادیان ومذاہب میں عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا، اور تعلیم وتعلّم سے متعلق دیگر ادیان ومذاہب کا کیا نظریہ تھا اور اسلام میں علم کا کیا مقام ہے، اس پر روشنی ڈالی جائے۔

اسلام سے قبل عورت کا مقام: تمدنِ انسانی کی پوری تاریخ کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عورت کا وجود دنیا میں ذلت وشرم اور گناہ کا وجود تھا۔ بیٹی کی پیدائش باپ کے لیے؛ بلکہ سارے کنبے کے لیے سخت عیب اور موجبِ ننگ وعار تھی۔

بدھ مت میں عورت: پانی کے اندر مچھلی کی طرح ناقابلِ فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے

پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں۔(انسائیکلو پیڈیا آف مذہب واخلاق: ۲۷۱،بحوالہ اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کا مقام: ۳۴)

ہندو دھرم میں عورت: برہمن ازم میں شادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کو شادی کرنا چاہیے؛لیکن منو (منوسمرتی مذہبی قانون کی کتاب کا نام) کے قوانین کی رو سے"شوہر بیوی کا سرتاج ہے۔اسے اپنے شوہر کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے،حتیٰ کہ وہ اگر دوسری عورتوں سے تعلقات رکھے یا مر جائے تب بھی کسی دوسرے مرد کا نام اپنی زبان پر نہ لائے۔اگر وہ نکاحِ ثانی کرتی ہے تو وہ سورگ (جنت) سے محروم رہے گی،جس میں اس کا پہلا شوہر رہتا ہے،زوجہ کے غیر وفادار ہونے کی صورت میں اسے انتہائی کڑی سزا دی جانی چاہیے،عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتی،وہ ترکہ نہیں پاسکتی،شوہر کے مرنے پر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے تحت زندگی گزارنی ہوگی، شوہر اپنی بیوی کو لاٹھی سے بھی پیٹ سکتا ہے۔(ایضاً) بلکہ ویدوں کے مطابق عورتوں کو وید کی تعلیم کی اجازت بھی نہیں تھی۔"(حوالہ سابق)

چین میں عورت: مسٹر رے اسٹریچی چین میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے:"مشرق بعید یعنی چین میں حالات اس سے بہتر نہیں تھے،چھوٹی لڑکیوں کے پیروں کو کاٹھ مارنے کی رسم کا مقصد یہ تھا کہ انھیں بے بس اور نازک رکھا جائے،یہ رسم اگر چہ اعلیٰ اور مال دار طبقات میں رائج تھی؛لیکن اس سے" آسمانی حکومت" کے دور میں عورتوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔"(یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ: ۱/ ۳۳۸،ایضاً)

انگلستان (یورپ) میں عورت: انگلستان میں اسے ہر قسم کے شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا،تعلیم کے دروازے اس پر بند تھے،صرف چھوٹے درجہ کی مزدوری کے علاوہ کوئی کام نہیں کرسکتی تھی اور شادی کے وقت اسے اپنی ساری املاک سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ سے انیسویں صدی تک عورت کو جو درجہ دیا گیا تھا،اس سے کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔(تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات،بحوالہ سابق)

ہندوستانی سماج میں عورت: برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانہ میں تھا۔منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی،وہ کبھی دوسری شادی نہ کرسکتی،اس کی قسمت میں طعن وتشنیع اور ذلت وتحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا،بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا،اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہوجاتیں۔ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے: "بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشاستر میں نہیں ہے؛لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہوچکی تھی؛کیوں کہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔"(تمدن ہند: ۲۳۸)

عورت اسلام کے سایہ میں: اسلام میں عورتوں کا مقام اوراس کی اہمیت اس حدیث سے اجاگر ہوتی ہے جس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دوہرے اجر کی بشارت دی ہے، جس نے اپنی باندی کی بہتر تعلیم وتربیت کی، پھر اسے آزاد کیا اوراس سے شادی کرلی۔(بخاری:۱/ ۲۰) غور کرنے کا مقام ہے کہ جو مذہب ایک باندی کی تعلیم وتربیت پر دوہرے اجر کی خوش خبری دیتا ہو، بھلا اس مذہب میں اپنی بیٹی اور بہن کی تعلیم وتربیت پر کس قدر اجر وثواب ہوگا۔

دیگرادیان ومذاہب میں عورتوں کی حیثیت اوراسلام نے عورتوں کو جوعزت ومقام عطا کیا، اس کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ اسلام میں علم کی کیا اہمیت ہے اوردیگرادیان ومذاہب میں تعلیم وتعلم کے بارے میں کیا تصور پایا جاتا ہے۔

علم اسلام کی نظر میں: اسلام نے علم کی اہمیت اوراس کی قدروقیمت پر مکمل طور پر روشنی ڈالی ہے۔اس نے تعلیم کو انسان کی، خواہ مرد ہو یا عورت بہت سی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہی نہیں؛ بلکہ تمام انسانوں کی اولین اور بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اورنظریہ ایسا نہیں ہے، جس نے تعلیم کو تمام انسانوں کی ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو، حتیٰ کہ یونان اورچین بھی جو اپنی علمی ترقیات کی وجہ سے غیرمعمولی شہرت کے حامل ہیں، اس کے قائل نہ تھے، یہ اسلام ہی ہے جس نے عام شہریوں کی بھی تعلیم کا تصورپیش کیا اوردینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کے حصول کو بھی جائز قرار دیا۔(اسلام اورعلم:۳)

علم اوردیگرادیان ومذاہب: اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں علم تو ایک صرف محدود مذہبی طبقہ میں منحصر تھا، "ہندودھرم" کی رو سے شودروں کے لیے "ویدوں" شلوک سننا بھی ناجائز تھا اوران کے لیے سزا یہ تھی کہ ان کے کانوں میں گرم سیسہ ڈالا جاتا تھا۔عیسائی مذہب میں فکری آزادی پر اتنی پابندی تھی کہ ان آدمیوں کو سخت سزا دی جاتی تھیں جو کوئی نیا علمی نظریہ پیش کرتے تھے، عیسائی علماء اتنے تنگ نظر تھے کہ کسی بھی نئی بات کو برداشت نہیں کرسکتے تھے، ان کی کوتاہ نظری کی وجہ سے بہت سے مفکر بے دین اور بہت سارے حکماء جادوگر قرار دیے گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے یہاں ذہنی ارتقاء بالکل رک گئی۔(اسلام اورعلم:۳)

اسپین میں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی اورملک کے گوشہ گوشہ میں مدارس قائم ہوئے تو یورپی طالب علموں کا تانتا بندھ گیا۔وہ یہاں آکر تعلیم حاصل کرتے اوراپنے ملک واپس جاکر اس کی تبلیغ وترویج کرتے، گویا کہ یہ صرف اسلام کی برکت اورمسلمانوں کی فراخ دلی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں علم وحکمت کی روشنی پھیلی۔خود یورپ کے مؤرخین اورمفکرین اس کے معترف ہیں۔رابرٹ، بریفالٹ اورڈاکٹر موسیولیبانی نے اس اعتراف کو وضاحت سے لکھا ہے۔(اسلام اورعلم:۳)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ جس طرح دیگر ادیان و مذاہب میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی، وہ سماج اور معاشرہ کی ذلیل ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی، مردوں کے لیے اس کی حیثیت صرف ایک کھلونا اور دل کو بہلانے والی شئی سے زیادہ نہ تھی، اسی طرح دیگر ادیان و مذاہب میں علم بھی ایک خاص طبقہ کے لیے مخصوص تھا، عورتوں کا حصولِ علم تو بہت دور کی بات ہے خود شودر قوموں کے لیے مطلقاً علم ایک شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ اسلام کی ہی برکت ہے کہ جہاں وہ ایک طرف سماج کی دبی کچلی معصوم اور مظلوم مخلوق کو باعزت مقام عطا کیا، وہیں دوسری طرف اسلام نے علم کی اہمیت وفضیلت کو اجاگر کرتے ہوئے بہ بانگِ دُہل اعلان کر دیا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

مندرجہ بالا سطور کو پڑھیں اور غور کریں کہ اس روئے زمین پر اسلام کے علاوہ کوئی بھی ایسا مذہب ہے، جس نے سماج کی نصف آبادی کو اتنے واضح اور مساویانہ حقوق عطا کیے ہوں، اور ساتھ ہی حصولِ علم کے سلسلہ میں سماج کے دونوں صنف کو یکساں حقوق عطا کیے ہوں۔ آپ دنیا کی تاریخ پڑھ ڈالیں، مذاہب کا تقابلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام کے علاوہ کسی مذہب اور نہ ہی کسی انسانی قانون نے عورتوں کو اتنے مساوی حقوق دیے ہیں۔ آزادیِ نسواں اور حقوقِ نسواں کے نام نہاد علمبرداروں نے عورتوں کو آزادی اور حقوق دلانے کے نام پر اسے بازاروں اور محفلوں کی زینت بنا دیا اور انہوں نے یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ اسلام عورتوں کی آزادی کا مخالف اور عورتوں کے حقوق کو غصب کرنے والا مذہب ہے اور عورتوں کو صحیح حق تو مغرب نے دیا ہے؛ لیکن اہلِ خرد اور اہلِ دانش بخوبی واقف ہیں کہ آزادیِ نسواں اور حقوقِ نسواں کی آڑ میں عورتوں کا کس قدر استحصال کیا جا رہا ہے۔ آزادیِ نسواں اور حقوقِ نسواں کی آڑ میں مغرب کا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے اور اہلِ مغرب بھی اس خوشنما فریب سے باہر آنے کو پر تول رہے ہیں اور دنیا بھی فطرت کی طرف لوٹنے پر مجبور ہے۔

ایک ایسے وقت اور ایسے ماحول میں جب کہ معاشرہ کی نصف آبادی خود اپنی حیثیت اور اپنے مقام سے ناآشنا ہے جو اسے اسلام نے عطا کیا ہے، ضرورت ہے کہ وہ اپنے مقام کو جانے، اپنی حیثیت کو پہچانے؛ تاکہ وہ مغرب کے خوشنما نعروں سے متاثر نہ ہو سکے اور اسلام اور مغرب کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھ سکے اور یہ تبھی ممکن ہے جب عورت تعلیم یافتہ ہوگی اور اپنے حقوق سے واقف ہوگی اور اس واقفیت کے لیے اسے زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ ذمہ داری اسلام نے مردوں کو سونپ دی ہے جو کہ عورت کے مقابلہ میں طاقتور صنف ہے۔ اب یہ مستقل بحث ہے کہ تعلیم کا طریقہ کار کیا ہو؟

لڑکیوں کی تعلیم اور طریقۂ کار: لڑکیوں کی تعلیم ضروری ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا؛ لیکن تعلیم کا طریقہ کار کیا ہو؟ آیا وہی طریقہ اپنایا جائے جو لڑکوں کی تعلیم کے لیے رائج ہے یا اسلاف کے طریقوں میں غور وخوض کر کے

بہتر طریقہ کار تلاش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جب ماضی کے دریچوں میں جھانک کر تعلیم نسواں پر غور کرتے ہیں تو دورِ نبوت کے ایک واقعہ سے اس سلسلہ میں رہنمائی ضرور ملتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک علاحدہ دن مقرر فرمایا تھا۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے مسجد نبوی میں صفہ کا تذکرہ ملتا ہے عورتوں کے لیے اس طرح کے کسی صفہ یا کسی خاص مقام کا تذکرہ دورِ نبوی میں نظر نہیں آتا۔ خیر القرون میں خواتین اپنے محارم اور شوہروں سے علم دین حاصل کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی بے شمار محدثات، فقیہات، ادیبہ اور شاعرات کا ذکر تو ملتا ہے لیکن باضابطہ کسی مدرسۂ نسواں کا کوئی ادنیٰ ساذکر بھی نہیں ملتا، اور نہ ہی خواتین کا حصول علم کے لیے دور دراز مقام کے سفر کا کوئی تذکرہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں دستیاب ہے۔ (کم از کم راقم السطور کی نظروں سے ایسا کوئی واقعہ نہیں گزرا) جب کہ ایسا نہیں ہے کہ اس دور میں باکمال خواتین پیدا نہیں ہوئیں؛ بلکہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں ہر فن میں ممتاز خواتین پیدا ہوئیں جنہوں نے اپنے علم وفن سے عالم انسانیت کو حیران وششدر کر دیا؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ دورِ نبوت سے لے کر ہندوستان کی مغلیہ حکومت تک کسی بھی زمانہ میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے باضابطہ کسی مدرسہ نسواں کا وجود تاریخ میں نہیں ملتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ لڑکیوں کی تعلیم ضروری نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلیمِ نسواں اور مدارسِ نسواں کے سلسلہ میں جو خیالات تھے اور انہوں نے جو طریقہ کار اپنایا، اس کا ذکر مدارسِ نسواں کے منتظمین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تھانہ بھون کے مدرسہ نسواں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

> "میں نے بھی تھانہ بھون میں ایک لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا ہے، لڑکیاں معلمہ کے گھر میں جمع ہو جاتی ہیں (وہی گھر گویا لڑکیوں کا مدرسہ ہے) اور میں ان کی خدمت کر دیتا ہوں؛ لیکن میں نے یہاں تک احتیاط کر رکھی ہے کہ میں خود کسی لڑکی کو بھیجنے کی ترغیب نہیں دیتا، یہ انہی معلمہ سے کہہ دیا ہے کہ سب تمہارا کام ہے تم جتنی لڑکیوں کو بلاؤگی تنخواہ زیادہ ملے گی، اس مدرسہ میں ماہانہ امتحان بھی ہوتا ہے، سو لڑکیاں کبھی امتحان دینے کے لیے گھر پر چلی آتی ہیں اور میری اہلِ خانہ یعنی بیویاں یا میرے خاندان کی کوئی بی بی ان کا امتحان لے لیتی ہیں اور کبھی لڑکیوں کو نہیں بلایا جاتا؛ بلکہ ممتحنہ وہیں چلی جاتی ہیں اور امتحان لے لیتی ہیں اور صرف امتحان کا نتیجہ میرے سامنے پیش ہو جاتا ہے اور باقی ان پر میرا نہ کوئی اثر اور نہ دخل۔ نمبر ممتحنہ دیتی ہیں، ان نمبروں پر انعام میں تجویز کرتا ہوں۔ الحمدللہ اس طرز پر مدرسہ برابر چلا جا رہا ہے اور ایک بات بھی کبھی خرابی کی نہیں ہوئی

(الغرض) لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام یا تو اس طور پر ہو کہ لڑکیاں جمع نہ ہوں، اپنے اپنے گھروں یا محلہ کی بیبیوں سے تعلیم پائیں؛ لیکن آج کل یہ عادتاً بہت مشکل ہے۔ یا اگر ایک جگہ جمع ہوں تو پھر یہ انتظام ہو کہ مردان سے سابقہ نہ رکھیں اور اپنی مستورات سے نگرانی کروائیں، ان سے خود بات چیت بھی نہ کریں۔

دوسرے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سکریٹری (ناظم) بضرورت متقی بن جائے، چاہے وہ آزاد خیال ہو؛ مگر اسے مولوی کی شکل بنانا چاہیے؛ تاکہ معلمہ پر اس کے تقویٰ کا اثر پڑے۔

میری دانست میں تعلیمِ نسواں کے یہ اصول ہیں، آگے اور لوگ اپنے تجربوں سے کام لیں، کچھ میرے خیالات کی تقلید ضروری نہیں۔" (اصلاح حقوق وفرائض: ۴۰۱-۴۰۴)

مقام فکر: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا طریقہ کار دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی جیسا حکیم الامت، مدبر، مصلح اور اپنے وقت کے مجدد جہاں ایک طرف عورتوں کی تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں، وہیں لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے کہ احتیاطاً کوئی ایسا گوشہ کمزور نہ ہو جس سے کسی فتنہ کے در آنے کا خدشہ ہو، حضرت تھانوی نے اپنے عمل سے آنے والی نسل کو یہ پیغام دیا ہے کہ بہر حال کام ہونا ہے، لڑکیاں جو ہمارے معاشرہ کی نصف آبادی ہیں انھیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا ہے؛ لیکن اس قدر احتیاط برتنی ہے کہ یہ تعلیم ان کے لیے ہر اعتبار سے مفید ہو مضر نہ ہو، اور وہ دین کا علم حاصل کرنے کے بعد ایسی خاتون بنیں جو پورے معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ ہو، نہ کہ اس کے عمل اور کردار سے فساد پھیلے۔ حضرت تھانوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشورہ منتظمین کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ آپ چاہے جتنے بھی آزاد خیال ہوں؛ لیکن معلّمات اور طالبات پر اچھا اثر ڈالنے کے لیے بہ ضرورت متقی بن جائیں؛ تاکہ معلّمات اور طالبات انھیں اپنا اسوہ بنالیں اور ان کے کردار بھی اچھے ہوں۔ یہ مشورہ موجودہ دور کے تمام مدارسِ نسواں کے منتظمین کے لیے سنگِ میل کا درجہ رکھتا ہے۔

حرفِ آخر: گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح عورتوں کو اسلام نے باعزت مقام بخشا اسی طرح عورتوں پر علم کے حصول کو بھی فرض قرار دیا۔ گرچہ زمانۂ ماضی اور عہد اسلامی میں کسی مدرسہ نسواں کا وجود نہیں ملتا؛ لیکن حالات اور زمانہ کی تبدیلی کے پیش نظر مدارسِ نسواں کا قیام ناگزیر ہے؛ البتہ مدارس نسواں کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اصول پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے ادارہ کو چلائیں، انشاء اللہ اس کا فائدہ عام ہوگا اور خلقِ کثیر کو اس سے نفع پہونچے گا اور ان اداروں سے ایسی باکردار خواتین پیدا ہوں گی، جن سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام پھیلے گا اور ان خواتین کے بطن سے مبلغینِ اسلام اور مجاہدینِ اسلام جنم لیں گے۔